آبرو

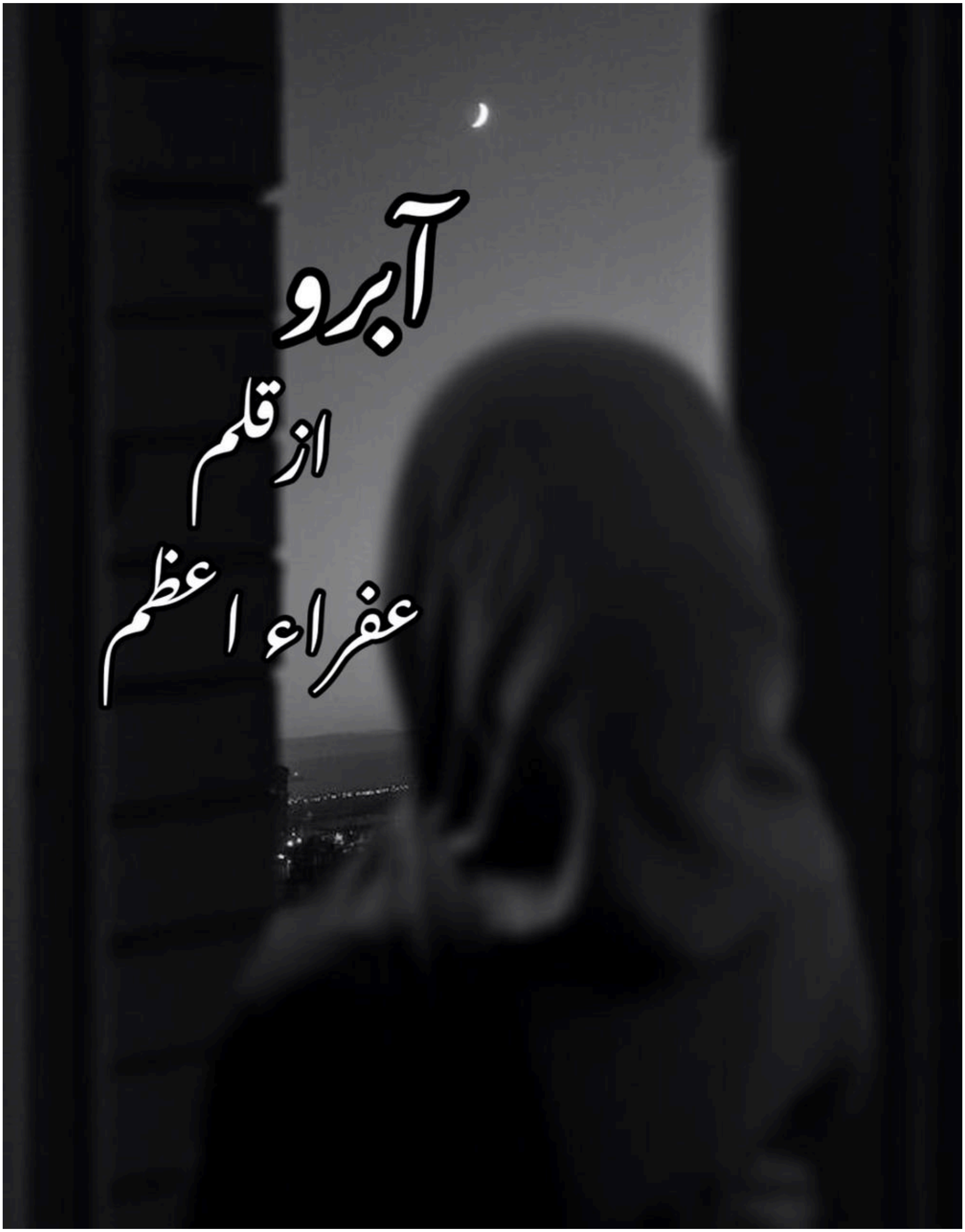

آبرو

ازقلم
!عفراء اعظم

‘‘مصباح نہیں ہے۔ وہ چلی گئی ہے۔’’
یہ خبر قیامت بن کر ٹوٹی تھی۔ اس گھر میں ہر شخص حیران پریشان تھا۔ کچھ دیر پہلے جس گھر میں شادیانے بج رہے تھے وہاں صفِ ماتم بچھ گیا تھا۔ وہ چلی گئی تھی؟ لیکن ایسے کیسے جا سکتی تھی؟ اپنی ہی شادی کو چھوڑ کر بھلا کیوں جائے گی؟
میں اسے جان سے مار دوں گا۔‘‘ اس کے چلانے پہ ابا نے آنکھیں میچی۔ وہ بے یقین تھے۔ ان کی’’ مصباح چلی گئی تھی۔ لیکن ایسے کیسے جا سکتی تھی؟ وہ کرسی پہ ڈھے گئے تھے۔ دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ کرسی پہ بیٹھتے ہوئے انہیں نے رحم طلب نظروں سے حماد کو دیکھا۔
بیٹا وہ ایسا نہیں کر سکتی ہے۔‘‘ حماد کا خون کھول گیا تھا۔ اس کی بہن اپنی ہی شادی سے بھاگ گئی’’ تھی۔
ابا، وہ ایسا کر چکی ہے۔ پارلر میں کہیں نہیں ہے۔ وہ بھاگ گئی ہے۔‘‘ اس کا اشتعال کسی صورت کم’’ نہیں ہو رہا تھا۔
توبہ، توبہ وہ تو بڑا خوش تھی۔ پھر کیوں بھاگ گئی؟ ایسی بھی کیا۔۔۔‘‘ پھوپھو مزے لے لے کر’’ تبصرے کر رہی تھیں۔
حماد نے ایک کاٹ دار نگاہ ان پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔ ابا کے کندھے ڈھلک گئے تھے۔ باہر خاندان والے تھے، دلہے والے بارات لے کر آتے ہی ہونگے۔۔ وہ انہیں کیا جواب دیتے؟ اور پھر وہ سر جھکائے رو پڑے تھے۔
حالات سنگین سے سنگین ہوتے جا رہے تھے۔ حماد نے ہر جگہ دیکھ لیا تھا لیکن وہ کہیں بھی نہیں تھی۔

اس نے مندی مندی آنکھیں کھولیں، وہاں اندھیرا تھا۔ اسے چکر آ رہے تھے۔ جسم میں چبھن ہو رہی تھی۔ شاید کپڑے چبھ رہے تھے۔ اس نے بمشکل اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی یہ گاڑی کی ڈگی تھی۔ اس کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں۔ وہ تو پارلر میں تھی پھر یہ گاڑی کی ڈگی؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، بس خوف تھا، وحشت تھی۔ سارا جسم سن ہوتا جا رہا تھا۔ گاڑی کو جھٹکا لگا اس کا سر کسی چیز سے ٹکرایا تھا اور وہ ہوش و حواس سے دوبارہ بیگانہ ہو گئی۔
کچھ دیر بعد گاڑی ایک فارم ہاؤس کے سامنے رکی تھی۔ سنہرے رنگ کی شیروانی میں ملبوس آدمی اترا، اور دروازہ بند کر کے اس کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا۔ وہ گاڑی سے ٹیک لگائے اوپر آسمان کی جانب دیکھ رہا تھا آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔ کچھ دیر یوں ہی کھڑا وہ سگریٹ کے کش لگاتا رہا، دھواں فضا میں تحلیل ہو رہا تھا۔
بالآخر اس نے سگریٹ زمین پہ پھینک کر جوتوں سے مسلا، اور آگے بڑھ کر ڈگی کا دروازہ کھول دیا۔ وہ دلہن کے لباس میں ملبوس بےہوش پڑھی تھی۔
وہ بے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے اسے بانہوں میں اٹھایا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔

وہ دونوں ہاتھوں میں سر گرائے بیٹھے تھے۔
مغرب کی آزانیں ہوئے بہت وقت گزر گیا تھا۔ اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں تھا۔ حماد تب کا گیا ابھی لوٹا تھا۔ دروازہ کھول کر وہ کمرے میں داخل ہوا، ابا دونوں ہاتھوں میں سر گرائے بیٹھے تھے۔ وہ سخت پریشان تھے۔ مہمان لوٹ گئے تھے۔ باقی پھوپھو لوگ ابھی گھر پہ ہی تھے۔ وہ ایسے کیسے غائب ہو سکتی ہے؟ اس کی دوستوں کو بھی کچھ خبر نہیں تھی۔
ابا، وہ کہاں ہو سکتی ہے؟'' حماد کا غصہ کم ہو گیا تھا۔ وہ بھی پریشان تھا۔''
''مجھ نہیں معلوم۔ حماد ولی کے گھر والوں کو فون کر کے معذرت کر لو۔''
کیا خبر وہ کسی مصیبت میں ہو؟ میں پولیس میں رپورٹ کرواؤں؟'' اس کے سوال پر انہوں نے''' چونک کر سر اٹھایا۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں تھیں۔
دماغ خراب ہو گیا ہے؟ پولیس میں رپورٹ کرو گے؟ جو عزت بچی ہے اس کا بھی جنازہ نکل وا لو'' بس۔'' وہ سخت غصہ ہو گئے تھے۔ حماد ہونق بنا انہیں تکتا رہ گیا۔
''لیکن وہ کسی مصیبت۔۔۔''
خدا کا واسطہ ہے حماد۔۔۔ مجھے عزت سے مرنے دو۔ اس سب کا کوئی فائدہ نہیں ہونا۔ وہ خود گئی'' ہے۔ اس نے میرے عزت کا خیال نہیں کیا تم کر لو۔'' وہ باقاعدہ ہاتھ جوڑ گئے تھے۔ ان کی آواز لرز گئی تھی۔ ہاتھ بھی کانپ رہے تھے۔ حماد نے آگے بڑھ کے انہیں گلے لگا لیا۔
وہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔

اس نے مندی مندی آنکھیں کھولیں۔ یہ تیسری بار تھا کہ وہ ہوش میں آ رہی تھی۔ اس بار بھی سر چکرا رہا تھا مگر منظر واضح تھا۔ وہ کسی کمرے میں تھی۔ زرا گردن گھما کر اس نے جائزہ لیا۔ کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ اس کی نظریں دیوار پہ لٹکی گھڑی پہ گئیں اور اس کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئی تھیں۔ رات کے دس بج رہے تھے۔
اللہ اللہ،'' وہ جھٹکے سے اٹھی۔ یہ ایک اچھا اور صاف ستھرا کمرا تھا۔ لیکن غیر شناسا تھا۔ وہ کہاں'' ہے اسے سمجھ نہ آیا۔ آنکھوں میں الجھن تھی سر بھاری ہو رہا تھا۔ کچھ بھاری بھاری سا محسوس کر کے اس نے سر جھکا کے دیکھا۔ وہ میرون لہنگے میں ملبوس تھی۔ اور اگلے ہی لمحے وہ بے یقینی سے وہی فرش پہ بیٹھ گئی تھی۔ آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔
ولی۔'' لبوں سے سرگوشیوں کی مانند الفاظ ادا ہوئے اور وہ گھٹنوں کے درمیان سر رکھ کر سسک'' پڑی تھی۔

یہ پارلر کا منظر تھا!
وہ میرون لہنگے میں ملبوس تھی۔ چہرے پہ پروفیشنلی طریقے سے میک اپ کیا گیا تھا۔ بال جوڑے میں مقید تھے اور سیٹ دوپٹہ، ساتھ میرون اونچی ہیلز میں اس نے دیوار گیر آئینے میں خود کا جائزہ لیا۔ لبوں پہ مسکراہٹ مچل گئی تھی۔ وہ حسین لگ رہی تھی۔ فرح ابھی گھر کال کرنے باہر گئی تھی۔ دفعتاً اس کا فون بجا، ولی کی کال تھی۔ شرمگین مسکراہٹ لبوں پہ سجائے اس نے فون کان سے لگایا۔

"السلام و علیکم۔" بھاری گھمبیر آواز پہ دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش برپا ہوا تھا۔ اس نے کرسی پہ بیٹھتے سلام کا جواب دیا۔
"مصباح میں پارلر کے باہر کھڑا ہوں۔ پلیز باہر آؤ مجھے ضروری بات کرنی ہے۔" گھنٹے بعد ان کا نکاح تھا اور وہ ایسے بلا رہا تھا۔ وہ یکدم پریشان ہوئی تھی۔
"ولی، ابھی۔۔" "پلیز مصباح اٹس آ ریکویسٹ۔" وہ واقعتاً پریشان لگ رہا تھا۔ اس نے بے چینی سے آئینے میں دیکھا۔
"پلیز یار۔۔۔" وہ پریشان تھا۔ یہی سوچ کر وہ اٹھ گئی۔ تازہ ہوا کا کہہ کر باہر نکلی۔ وہ عین سامنے سیاہ گاڑی میں بیٹھا تھا۔ وہ اس کی طرف گئی اور شیشہ بجایا۔
"یار اندر آ کے بیٹھو۔ ایسے کیسے بات کریں گے۔" وہ بھی بغیر کچھ کہے دوسری جانب سے آ کر گاڑی میں بیٹھی۔ وہ الجھا ہوا تھا، پریشان تھا۔ مصباح کو سخت پریشانی ہوئی تھی۔ نفاست سے کیے گئے میک اپ والا چہرہ بے رنگ سا ہو رہا تھا۔
"کیا ہوا ولی؟ تم اچانک اس طرح؟" وہ اس کی جانب رخ موڑے پریشانی سے پوچھ رہی تھی۔
ولی نے گردن اٹھا کے اس کو دیکھا۔ وہ پیاری لگ رہی تھی۔
وہ کئی لمحوں تک بغیر پلکیں جھپکائے اسے دیکھتا رہا، دیکھتا رہا اور پھر بہت اچانک مصباح نے اپنے چہرے پہ کچھ محسوس کیا تھا۔ کیا تھا؟ شاید کوئی رومال تھا یا پھر کیا وہ حواس کھو رہی تھی۔ آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، آخری چیز جو اس نے سمجھی تھی وہ ایک بھاینک خیال تھا۔
وہ کڈنیپ ہو گئی تھی۔
وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اسے یقین نہیں آیا۔
کڈنیپ کرنے والا ولی تھا؟ اس کا اپنا ولی؟ ولی ایسا کیوں کریگا؟
وہ ہنوز بے یقین تھی۔

وہ کمرے میں داخل ہوا۔ شیروانی کی جگہ ابھی دوسرے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ سیاہ سادہ سی ٹی شرٹ اور سیاہ ٹراؤزر میں وہ فارمل سے حلیے میں تھا۔ وہ ہنوز دلہن کے لباس میں ملبوس بیڈ کے پاس نیچے زمین پہ سر گھٹنوں میں رکھے رو رہی تھی۔ وہ دھیرے سے چلتا ہوا اس کے پاس بیٹھا، اس کے سر پہ ہاتھ رکھا، وہ جھٹکے سے سر اٹھا گئی۔
آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ چہرہ آنسو سے تر تھا۔ ولی نے کچھ نہیں کہا وہ بس اسے دیکھ رہا تھا۔ یک ٹک بغیر پلکیں جھپکائے اسے دیکھتا رہا، دفعتاً اس نے سسکی لی تھی۔ وہ بہت رو رہی تھی۔ وہ ڈری ہوئی تھی۔ اس کے پاس بے شمار سوالات تھے مگر وہ خاموش تھی۔ چہرہ آنسو سے تر ہو گیا تھا۔ وہ دونوں ایسے ہی ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور نجانے کتنی دیر بیت گئی۔
"آئی ایم سوری۔" ولی معذرت کر رہا تھا؟ لیکن کیوں؟
پہلے اس نے اپنی ہی شادی سے کڈنیپ کیا اور اب معذرت؟ مصباح نے کچھ نہیں کہا۔ آنکھوں سے مسکارا اور کاجل بہہ کر چہرے پہ پھیل گیا تھا۔ دوپٹہ سر سے گر کر شانوں پہ پھیل گیا تھا۔ بال جوڑے سے نکل کر بکھرے ہوئے تھے۔
وہ عجیب مخلوق لگ رہی تھی۔

‘‘مجھے معلوم ہے تم یہ سب ڈیزرو نہیں کرتی ہو۔ لیکن میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔’’
ایسی بھی کیا مجبوری تھی کہ تم نے اپنے ہی نکاح سے مجھے کڈنیپ کر لیا؟‘‘ یہ سوال کرنا چاہیے ’’
تھا مگر وہ خاموش رہی۔
تم ایمن کو جانتی ہو؟‘‘ اس کی آنکھوں میں اچھنجا اترا۔’’
ایمن؟ ایمن بابر؟ تم میری مما کی بات کر رہے ہو؟‘‘ یہ پہلی بار تھا کہ جب وہ کچھ بولی تھی۔’’
ہاں ایمن تمہاری مما۔۔ ایمن بابر، جو پہلے اایمن شاہ تھی اور میری پھوپھو تھی۔‘‘ وہ سناٹوں کی زد’’
میں آ گئی تھی۔ دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔
اس نے بے یقینی سے ولی کو دیکھا، لب بے آواز ہلے تھے۔
بدلہ، انتقام! کیا وہ اس سے انتقام لینے یہاں لایا تھا؟‘‘ وہ بے یقین تھی۔’’
کچھ لمحوں تک ولی کو دیکھتی رہی اور پھر دھڑام سے پیچھے کی جانب گر گئی۔ وہ بے تاثر نگاہوں
سے اسے دیکھتا مسکرایا تھا۔
اس کی مسکراہٹ عجیب تھی۔
اس مسکراہٹ میں طنز تھا، حزن تھا، دکھ تھا۔
لیکن نرمی اور محبت کہیں نہیں تھی۔

ایک دفعہ کا زکر ہے، پہلے بہت پہلے!
ایک لڑکی تھی، ایمن شاہ، ولی شاہ کی پھوپھو جانم!
میرا ولی کیا کر رہا ہے؟‘‘ انہوں نے اس کے ماتھے پہ بکھرے بالوں کو سنوارا، لہجے میں محبت’’
تھی۔ انہیں یہاں ولی سے زیادہ کوئی عزیز نہیں تھا۔ ولی ان کی جان تھا۔
پھوپھو جانم، میں پڑھ رہا تھا۔ آپ کیا کر رہی ہیں؟‘‘ وہ مسکرائی۔’’
میں ابھی تو کچھ نہیں کر رہی لیکن ابھی ولی کے لیے پاستہ بنانے کا سوچ رہی ہوں۔‘‘ وہ خوشی’’
سے اچھلا، کاپی پینسل ایک طرف رکھی۔
آپ دنیا کی سب سے اچھی پھوپھو جانم ہیں۔‘‘ ایمن ہنس پڑی تھی۔ وہ ایسا ہی تھا، اچھا اور بہت’’
پیارا۔ ہر بات پہ اس کے پاس ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ
‘‘آپ دنیا کی سب سے اچھی پھوپھو جانم ہیں۔’’

ان کی زندگی پرسکون جھیل کی مانند تھی۔ ہر شئے اپنے مدار میں تھی۔ اس پرسکون جھیل میں پتھر
پھینک کر انتشار برپا کیا گیا تھا۔ اور پتھر پھینکنے والا کون تھا؟
ابرار کاشف!
کالج میں پڑھتے ہوئے نجانے کب اور کیسے وہ ایک دوسرے کے مریضِ محبت بن گئے۔ کسی کو
معلوم ہی نہ ہو سکا۔ قیامت اس دن برپا ہوئی جب ابرار اپنے والدین کے ساتھ سید گھرانے کی اکلوتی
بیٹی کا ہاتھ مانگنے آیا تھا۔ سب مشتعل ہو گئے تھے۔ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ خاندان سے باہر
شادی نہیں کرتے؟
ایمن تو جانتی تھی پھر اس گستاخی کا کیا مطلب؟
بابا اور بھائیوں نے اسے بہت ڈانٹا تھا۔ ولی سہما ہوا تھا۔

اور پھر اس کے مہینے بعد کی بات ہے کہ اس رات وہ ولی کو خود سے چمٹائے زار و قطار رو پڑی تھی۔

”ولی، بابا میرے ساتھ بالکل صحیح نہیں کر رہے۔“

”پھوپھو جانم، وہ انکل کون ہے؟“ اس کے اپنے ہی سوال تھے۔ ایمن رونا بند کر کے کتنی دیر تک اسے دیکھتی رہی۔

”ولی وہ انکل بہت اچھے ہیں۔ وہ پھوپھو جانم کا بہت خیال رکھیں گے۔ لیکن بابا نہیں چاہتے کہ پھوپھو کی شادی ان سے ہو۔“

”آپ ان کے ساتھ جانا چاہتی ہیں؟“ وہ بس اثبات میں سر ہلا گئی۔ ولی روہانسا ہو گیا تھا۔

”آپ چلی جائیں گی پھر ولی کے پاس کون ہوگا؟“ وہ بس رو دینے کو تھا۔ ایمن نے اس کے ماتھے پہ گرتے بال سمیٹ کر پیچھے کیے۔ اس کا ماتھا چوما۔

”میں آؤں گی تمہارے پاس۔ تم میرا سب سے پیارا بچہ ہو۔ تمہارے بغیر پھوپھو جانم کچھ بھی نہیں ہے۔“ وہ بالکل مطمئن نہیں ہوا تھا۔

”ٹھیک ہے پھر آپ اس انکل کے ساتھ نہیں جائیں گی۔“ ایمن نے کچھ نہیں کہا بس اسے خود سے لگا لیا۔ وہ کچھ دیر بعد خود ہی پیچھے ہوا، ایمن کا گال چوما۔

”آپ اس دنیا کی سب سے اچھی پھوپھو جانم ہیں۔ پلیز مجھے چھوڑ کے مت جانا۔“ وہ دھیرے سے اثبات میں سر ہلا گئی۔ آنسو بہہ نکلے تھے۔ وہ بے اختیار رو پڑی تھی۔

اس رات، رات کے سیاہ گہرے سائے میں وہ اس گھر کی دہلیز پار کر گئی۔ ابرار گھر سے مناسب فاصلے پہ کھڑا تھا۔ وہ کچھ مختصر سامان کے ساتھ ولی کی تصاویر لے کر گھر سے نکل گئی۔

نہ ماں باپ کی عزت قدموں کی زنجیر بنی اور نہ ہی ولی شاہ کی التجائیں اسے روک سکی تھیں۔

اسے ولی واقعی بے حد عزیز تھا۔ مگر ابرار تو محبت تھا۔

اگلے دن گھر میں کہرام برپا ہو گیا تھا۔

”پھوپھو جانم کہاں ہیں۔ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔“ وہ رو رہا تھا۔ چیخ رہا تھا۔ کسی کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ اور بابا کا زناٹے دار تھپڑ اسے ہوش میں لایا تھا۔

”خبردار جو اس منحوس کو پکارا۔ وہ بے حیا لڑکی بھاگ گئی ہے۔“

اس صبح اور اس کے بعد کئی مہینوں اور سالوں تک وہ سنتا آیا تھا کہ اس کی پھوپھو جانم بری لڑکی تھی۔ لیکن وہ تو اچھی تھی ناں؟ دنیا کی سب سے اچھی لڑکی تھیں۔ پھر سب ایسے کیوں کہتے تھے؟

وہ بری نہیں تھیں برے وہ انکل تھے جو پھوپھو جانم کو لے گئے تھے۔ ولی نے کبھی زندگی میں ایک لمحے کو بھی نہیں سوچا تھا کہ پھوپھو غلط تھیں اس کے لیے غلط وہ انکل تھے اور آج اس نے ان انکل سے بدلہ لے لیا تھا۔

اپنے سامنے دلہن کے لباس میں ملبوس لڑکی کو دیکھ کر وہ سر جھکا گیا۔ مصباح یک ٹک اسے دیکھتی رہی، دیکھتی رہی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ ولی تھا۔ مما کا سب سے پیارا بچہ ولی شاہ تھا۔ اسے یقین نہ آیا۔۔ وہ کیسے یقین کرتی؟ مما کا بدلہ لینے کے لیے وہ مما کی بیٹی کو اغواہ کر کے لایا تھا۔

ولی، جانتے ہو، مما آپ کو کبھی نہیں بھولی۔ ہمارے گھر میں ہم نے ہمیشہ آپ کا نام سنا ہے۔ ولی" مما کا پیارا بچہ، ولی کو پاستہ پسند ہے۔ ولی پھوپھو جانم کا اچھا بچہ ہے۔ ولی بات مان لیتا ہے۔ ولی تنگ نہیں کرتا۔ ایسے کئی جملے تھے جو مما ہمیں کہتی رہتی تھیں۔ وہ بیٹھے بیٹھے رو پڑتی تھیں کہ انہیں ولی یاد آ رہا ہے۔ وہ آپ کو کبھی نہیں بھولی، وہ آپ کو کبھی بھول ہی نہیں سکتی تھیں۔" ولی بغیر پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہا تھا۔ خاموشی سے، بے یقینی سے، حیرت سے دیکھ رہا تھا۔
اس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سوجی ہوئی تھیں، لیکن وہ پر سکون تھی۔ سامنے بیٹھا آدمی مما کا ولی شاہ تھا۔ یہ بات اسے پرسکون کر گئی تھی۔
مما نے تم سے بے حد محبت کی تھی۔ انہیں کبھی نہیں لگا تھا کہ آپ ان کا انتقام اس طرح لیں گے۔""
وہ کبھی تم اور کبھی آپ بول رہی تھی۔ ولی اب بھی کچھ نہیں بولا۔
آپ کو اندازہ بھی نہیں ہے کہ ابرار سے بدلہ لینے کے لیے آپ کیا کر گئے ہیں؟ پہلے دنیا ایمن ابرار" کو بری لڑکی کہتی رہی اور اب وہ مصباح ابرار کو بری لڑکی کہے گی۔" آخری جملے پہ ولی نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھاما، اس کا جملہ اس کا دل چیر گیا تھا۔ مصباح مسکرا رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ اداس سی تھی۔
آپ کے انتقام نے مجھے بری لڑکی بنا دیا۔ ایمن شاہ اور ابرار کاشف سے انتقام لینے کے چکر میں" آپ کو مجھے برباد کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔" اس کا لہجہ رندھ گیا تھا۔ اور وہ رو پڑی تھی۔ ولی اس کا ہاتھ تھامے اسے روتے دیکھ رہا تھا۔ واقعی اس کی زندگی برباد کرنے کے اسے کوئی حق نہیں تھا۔
دیوار پہ لٹکی گھڑی کو دیکھا۔
!رات کے تین بج رہے تھے
"آئی ایم سوری، مصباح۔"
آپ کے سوری سے کیا ہوگا؟ مما بھی آپ سے سوری تھیں کچھ ہوا؟ نہیں ناں، پھر آپ کے سوری" سے کیا ہوگا ولی؟ آپ کے ایک اس انتقامی قدم نے ایمن کی بیٹی کو بری لڑکی بنا دیا۔ پہلے دنیا آپ کی پھوپھو جانم کو بری لڑکی کہتی تھی اور اب اس کی بیٹی کو بولے گی۔ کچھ بھی نہیں بدلے گا۔" ولی اپنا سر نہیں اٹھا سکا تھا۔ وہ یہ کیا کر گیا تھا۔ اس نے کیا کر دیا تھا۔ اسے بے حد ملال تھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟
مما نے رات کے اندھیرے میں وہ دہلیز پار کی تھی تو انہوں نے اس کی سزا بھگتی۔ جانتے ہو وہ" کبھی دوبارہ اس معاشرے میں سر اٹھا کے جی نہیں سکیں، اور یوں ہی گھٹ گھٹ کے مر گئیں۔ انہیں ہمارے ددھیال والوں نے کبھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا کیوں کہ وہ گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی تھیں۔ بابا ان سے محبت کرتے تھے، مگر کبھی معاشرے میں انہیں وہ مقام نہیں دلا سکے۔ وہ اپنی تمام اچھائیوں سمیت ایک بھاگی ہوئی لڑکی کے علاوہ کچھ نہیں تھیں۔ لوگ انہیں کبھی قبول نہیں کر سکے تھے۔" اسے لگا اس کا سانس گھٹ جائے گا۔ پھوپھو جانم کی تکالیف کا سوچ کے وہ مر جائے گا۔
سامنے بیٹھی دلہن کے لباس میں ملبوس لڑکی مزید کہہ رہی تھی۔
اس میں قصور لوگوں کا نہیں ہے۔ مما کا ہے، بابا کا ہے۔ میرے نانا کا ہے، ماموں کا بھی ہے۔ مما" اور بابا بالغ تھے اگر وہ ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے تو انہیں چاہیے تھا ان کا نکاح کروا لیتے۔

اور اگر نہیں کروایا تو مما اور بابا کو یہ انتہائی قدم اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ دہلیز پار کرتے ہوئے مما نے صرف اپنے گھر والوں کو نہیں کھویا انہوں نے معاشرے میں اپنا مقام کھو دیا۔ بابا نے اپنی عزت کھو دی۔ مما ایک بھاگی ہوئی عورت تھی، بابا بھاگی ہوئی عورت کے شوہر تھے، اور ہم۔۔۔؟‘‘ اس نے ہچکی لی۔ چہرہ آنسو سے تر ہو گیا تھا۔

’’ہم ہمیشہ بھاگی ہوئی عورت کے بچے رہے۔ ایک قدم تھا اور نسلیں تباہ ہو گئیں۔ یہ محبت کا نشہ جب ہرن ہوتا ہے تو کچھ باقی نہیں رہتا۔ بھاگی ہوئی عورت کو معاشرہ قبول نہیں کرتا۔ ولی!‘‘ وہ بے حد تلخ تھی۔

اس کی زندگی ہی تلخ تھی۔ وہاں طنز اور طعنوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس کی ماں کا ماضی میں لیا گیا انتہائی فیصلہ ان کا بچپن لڑکپن اور جوانی تک کو نگل گیا تھا۔

’’مصباح، ہم نکاح کریں گے۔‘‘ اس کی بات سن کر مصباح ہنس پڑی تھی۔ روتے روتے ہنسنا یہ عجیب منظر تھا۔

’’نکاح؟ نکاح اور تم سے؟‘‘ ولی نے اسے دیکھا۔

’’میں تمہیں کیا لگ رہی ہوں؟ کوئی گڑیا؟ کوئی کھلونا؟ تم نے مجھے اغواہ کیا ہے اور تم سے نکاح؟‘‘ اس کی آنکھوں میں کوئی خوف نہیں تھا۔ ولی نے کچھ کہنا چاہا پھر لب بھینچ گیا۔

’’پلیز مجھے میرے گھر چھوڑ آؤ۔‘‘ وہ اٹھ گئی۔ کپڑے بے حد بھاری تھے۔

’’پلیز مصباح، لوگ کیا کہیں گے۔ ہم نکاح کر لیتے ہیں۔ میں سب صحیح کر لوں گا۔‘‘ اس نے کچھ نہیں کہا بس رخ موڑے کھڑی رہی۔

’’میں انکل سے بات۔۔۔‘‘ وہ اس کی جانب پلٹی۔ آنکھیں خشک تھیں مگر ان میں سرخی تھی۔

’’میں کسی اور دنیا کی مخلوق نہیں ہوں کہ ایک ہینڈسم لڑکے نے مجھے اغواہ کیا اور میں مجبور اس کے ساتھ نکاح کر لوں۔ تمہیں تمہاری غلطی کا احساس ہو اور تمہیں معاف کر کے تمہارے ساتھ خوشی خوشی رہ لوں۔ ولی، میں اس دنیا کی مخلوق ہوں جہاں عورت کا قیمتی اثاثہ اس کی عزت و آبرو ہے۔ میں ایسے شخص سے نکاح نہیں کروں گی جس نے مجھے اغواہ کیا ہو۔ سنا تم نے میں تم سے نکاح نہیں کروں گی۔‘‘ اس کا لہجہ قطعیت لیے ہوئے تھا۔ وہ آدمی اٹھ گیا اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

صبح کے چار بج رہے تھے!

کسی کے دھڑا دھڑ دروازہ بجانے پہ حماد نے دروازہ کھولا، سامنے وہی تھی۔ دلہن کے لباس میں ملبوس، دوپٹے سے آدھا چہرہ چھپائے کھڑی تھی۔ حماد کے قدم لڑکھڑا گئے۔

’’مصباح، تم کہاں تھیں؟ اور؟‘‘ اس کے پاس بے شمار سوالات تھے مگر وہ بغیر سنے ایک طرف سے اندر آ گئی اس کے پیچھے ولی آیا تھا۔ حماد کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ ابا بھی اپنے کمرے سے نکل کر آ گئے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے کسی کا کچھ نہیں سنا وہ کسی کی نہیں سننا چاہتی تھی۔

ولی نے انہیں سب بتا دیا تھا۔ وہ لاؤنج میں سر جھکائے اپنی کارستانی سنا رہا تھا۔ رو رہا تھا۔ معافیاں مانگ رہا تھا۔ حماد کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اسے مار مار کے اس کا جبڑا توڑ دے۔ مگر ابا کے کہنے پہ خاموش بیٹھا بس اسے گھورے جا رہا تھا۔ ابا سر جھکائے بیٹھے تھے۔ کندھے ڈھلکے ہوئے تھے۔ محبت کا نشہ اترا تو ہر شئے واضح ہوئی تھی۔ انہوں نے کپکپاتے لہجے میں ولی کو پکارا۔

”بیٹا، تم مصباح سے نکاح کر لو۔“ انہیں زمانے کا ڈر تھا۔ لوگوں کا خوف کھائے جا رہا تھا۔ ان کے اس مطالبے پہ حماد تلملایا مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہے تھے۔
”انکل میں ابھی تیار ہوں۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے۔ میرا یقین کریں میں اس کا بہت خیال رکھوں گا۔“ انہوں نے یقین کر لیا کہ سوائے اس کے اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔
ایک نظر کلائی میں بندھی گھڑی دیکھی۔
!صبح کے پانچ بج رہے تھے
”حماد تم جا کے مصباح کو دیکھو۔ وہ رو رہی ہوگی۔“ اس نے ایک سخت نظر ولی پہ ڈالی اور اٹھ گیا۔ ابا بمشکل مسکراتے ہوئے ولی سے کچھ کہہ رہے تھے۔ وہ شاید اسے بتا رہے تھے کہ کیسے ایمن ہمیشہ اسے یاد کرتی تھی۔ ابھی کچھ دیر ہی بیتی تھی کہ حماد کی دل خراش چیخ نے ماحول پہ لرزہ طاری کر دیا تھا۔ ابا تیزی سے سیڑھیوں کی جانب بھاگے، وہ بھی ان کے پیچھے بھاگا تھا۔ اگلا منظر دل دہلا دینے والا تھا۔ حماد اسے بانہوں میں اٹھائے تیزی سے نیچے آ رہا تھا۔ وہ شاید رو رہا تھا۔
”بابا، جلدی کریں۔ یہ بے ہوش ہے۔“ وہ باہر نکل گیا تھا۔ انکل اس کے پیچھے نکلے، اس کی نگائیں اس کے بے جان سے لٹکتے ہاتھ پر تھیں۔ ہاتھ کا رنگ عجیب سا تھا۔ بے رنگ، بے جان سا تھا۔
وہ اگلا سانس نہیں لے سکا تھا۔ اسے گھنٹہ پہلے کا روپ یاد آیا تھا اور پھر نظریں زمین پہ گئیں تھیں۔ وہاں ایک کاغذ گرا تھا۔
حماد اور انکل چلے گئے تھے۔ اس نے بے جان قدموں سے چلتے وہ کاغذ اٹھایا۔
”!پیاری لڑکیوں کے نام
میری ماں ایک پیاری لڑکی تھی۔ وہ بہت اچھی تھیں۔ سب کا بھلا سوچنے والی تھیں، مگر ان کی اچھائیاں اور بھلائیاں ان کے کسی کام نہیں آئیں۔ کیونکہ وہ اچھی ہونے کے ساتھ ساتھ بھاگی ہوئی لڑکی بھی تھیں۔ میں نے ہمیشہ ان کے ماضی کے طعنے سنے۔ وہ پہلے اچھی لڑکی تھیں کیونکہ ان کی ماں اچھی تھی۔
مگر میں کبھی اچھی لڑکی نہیں بن سکی۔ کیونکہ میری ماں بھاگی ہوئی عورت تھی اور میں بھاگی ہوئی عورت کی بیٹی تھی۔ انہوں نے جذبات کے بہکاوے میں آ کر ایک غلط قدم اٹھایا اور اس کا خامیازہ مجھے بھگتنا پڑا۔
اب میں اپنی نسلوں میں اس درد کو منتقل نہیں کرنا چاہتی۔ میں نہیں چاہتی کوئی اور مصباح جنم لے، جس کے کوئی دوست نہ ہوں۔ کیوں کہ میری ماں کے ماضی کی وجہ سے اس معاشرے کے عزت دار لوگ اپنی بیٹیوں کو میرے ساتھ اٹھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ میں کسی اور بیٹی کو یوں عزت کے لیے تڑپتے، گھٹ گھٹ کر جیتے اور پھر سسک سسک کر حرام موت مرتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی۔
آج میرا اس دنیا اور اس میں بسنے والے عزت دار لوگوں میں آخری دن ہے، میں ہاتھ جوڑ کر التجا کرتی ہوں،
پیاری لڑکیوں! اپنی حفاظت کرو، کیا تم ایک اور مصباح کا بوجھ اٹھا سکو گی؟ کیا تم چاہتی ہو تمہاری نسلیں یوں تباہ ہو جائیں؟ معاشرے کے طعنے سن سن کر تم نفسیاتی مریض بن جاؤ اور یہ مرض نسل در نسل چلتا رہے؟

صفحہ گیلا تھا۔ شاید وہ رو پڑی تھی۔ آگے کچھ نہیں تھا۔ ولی سن کھڑا تھا۔ دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔
وہ لڑکی اتنی اذیتوں میں تھی اور اس نے اس کے ساتھ کیا کیا؟

آج کئی سال بیت گئے ہیں۔ میں اس مٹی کے ڈھیر کے پاس بیٹھا ہوں۔ میں ہر روز یہاں آتا ہوں، مٹی کا ڈھیر جس کے سرہانے کتبہ لگا ہے،
''مصباح ابرار''
وہ دلہن کے لباس میں ملبوس حسین لڑکی مر گئی؟
میں آج بھی بے یقین ہوں۔ وہ تو بہت چھوٹی تھی۔ اور بہت پیاری تھی۔ وہ بھلا کیسے مر سکتی ہے؟
لیکن وہ مر چکی ہے۔ اسے میرے نکاح میں آنے سے زیادہ موت عزیز تھی۔ لیکن ایسے حرام موت؟
وہ پھوپھو جانم کی بیٹی تھی۔ ان کی طرح ہی شدت پسند اور جلد باز، لیکن بھلا اس انتہائی قدم کی کیا ضرورت تھی؟ پھوپھو جانم کا ایک قدم مستقبل میں مصباح کی زندگی نگل گیا، اور مصباح کا ایک قدم کیا اس کی آخرت؟؟؟
میرے ہاتھوں میں اس کا آخری خط ہے، یہ خط میں دن میں نجانے کتنی بار پڑھتا ہوں۔ اور ہر بار اسے پڑھنے پہ میرے دل میں ایک خواہش جنم لیتی ہے کہ کاش میں یہ خط دنیا کی ہر پیاری لڑکی کو پڑھا سکوں۔
میری آنکھوں میں آنسو ہیں، یہ آنسو میرا مقدر ٹھہرے۔ بچپن میں یہ آنسو پھوپھو کے لیے تھے اور جوانی مین ان کی بیٹی کے لیے ہیں۔ اور یونہی زندگی گزر جانی ہے۔
اور میرے دماغ میں اس کا چہرہ ہے۔ میں اسے کبھی نہیں بھولا، میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا، میں اسے کبھی نہیں بھول سکوں گا۔
لیکن اب کیا فائدہ؟ میرا ایک جذباتی قدم اس کی زندگی نگل گیا۔
اب کچھ باقی نہیں ہے۔ سب ختم ہو گیا۔
اور ابھی اس مٹی کے ڈھیر پہ تازہ گلاب ڈالتے ہوئے مجھے کسی کی کہی بات یاد آ رہی ہے۔
''جلدبازی کا کامآبرو''
ازقلم
!عفراء اعظم

''مصباح نہیں ہے۔ وہ چلی گئی ہے۔''
یہ خبر قیامت بن کر ٹوٹی تھی۔ اس گھر میں ہر شخص حیران پریشان تھا۔ کچھ دیر پہلے جس گھر میں شادیانے بج رہے تھے وہاں صفِ ماتم بچھ گیا تھا۔ وہ چلی گئی تھی؟ لیکن ایسے کیسے جا سکتی تھی؟ اپنی ہی شادی کو چھوڑ کر بھلا کیوں جائے گی؟
''میں اسے جان سے مار دوں گا۔'' اس کے چلانے پہ ابا نے آنکھیں میچی۔ وہ بے یقین تھے۔ ان کی مصباح چلی گئی تھی۔ لیکن ایسے کیسے جا سکتی تھی؟ وہ کرسی پہ ڈھے گئے تھے۔ دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ کرسی پہ بیٹھتے ہوئے انہیں نے رحم طلب نظروں سے حماد کو دیکھا۔

بیٹا وہ ایسا نہیں کر سکتی ہے۔‘‘ حماد کا خون کھول گیا تھا۔ اس کی بہن اپنی ہی شادی سے بھاگ گئی”
تھی۔
ابا، وہ ایسا کر چکی ہے۔ پارلر میں کہیں نہیں ہے۔ وہ بھاگ گئی ہے۔‘‘ اس کا اشتعال کسی صورت کم”
نہیں ہو رہا تھا۔
توبہ، توبہ وہ تو بڑا خوش تھی۔ پھر کیوں بھاگ گئی؟ ایسی بھی کیا۔۔۔‘‘ پھوپھو مزے لے لے کر”
تبصرے کر رہی تھیں۔
حماد نے ایک کاٹ دار نگاہ ان پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔ ابا کے کندھے ڈھلک گئے تھے۔ باہر خاندان والے تھے، دلھے والے بارات لے کر آتے ہی ہونگے۔۔ وہ انہیں کیا جواب دیتے؟ اور پھر وہ سر جھکائے رو پڑے تھے۔
حالات سنگین سے سنگین ہوتے جا رہے تھے۔ حماد نے ہر جگہ دیکھ لیا تھا لیکن وہ کہیں بھی نہیں تھی۔

اس نے مندی مندی آنکھیں کھولیں، وہاں اندھیرا تھا۔ اسے چکر آ رہے تھے۔ جسم میں چھبن ہو رہی تھی۔ شاید کپڑے چھب رہے تھے۔ اس نے بمشکل اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی یہ گاڑی کی ڈگی تھی۔ اس کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں۔ وہ تو پارلر میں تھی پھر یہ گاڑی کی ڈگی؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، بس خوف تھا، وحشت تھی۔ سارا جسم سن ہوتا جا رہا تھا۔ گاڑی کو جھٹکا لگا اس کا سر کسی چیز سے ٹکرایا تھا اور وہ ہوش و حواس سے دوبارہ بیگانہ ہو گئی۔
کچھ دیر بعد گاڑی ایک فارم ہاؤس کے سامنے رکی تھی۔ سنہرے رنگ کی شیروانی میں ملبوس آدمی اترا، اور دروازہ بند کر کے اس کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا۔ وہ گاڑی سے ٹیک لگائے اوپر آسمان کی جانب دیکھ رہا تھا آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔ کچھ دیر یوں ہی کھڑا وہ سگریٹ کے کش لگاتا رہا، دھواں فضا میں تحلیل ہو رہا تھا۔
بالآخر اس نے سگریٹ زمین پہ پھینک کر جوتوں سے مسلا، اور آگے بڑھ کر ڈگی کا دروازہ کھول دیا۔ وہ دلہن کے لباس میں ملبوس بےہوش پڑھی تھی۔
وہ بے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے اسے بانہوں میں اٹھایا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔

وہ دونوں ہاتھوں میں سر گرائے بیٹھے تھے۔
مغرب کی آزانیں ہوئے بہت وقت گزر گیا تھا۔ اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں تھا۔ حماد تب کا گیا ابھی لوٹا تھا۔ دروازہ کھول کر وہ کمرے میں داخل ہوا، ابا دونوں ہاتھوں میں سر گرائے بیٹھے تھے۔ وہ سخت پریشان تھے۔ مہمان لوٹ گئے تھے۔ باقی پھوپھو لوگ ابھی گھر پہ ہی تھے۔ وہ ایسے کیسے غائب ہو سکتی ہے؟ اس کی دوستوں کو بھی کچھ خبر نہیں تھی۔
ابا، وہ کہاں ہو سکتی ہے؟‘‘ حماد کا غصہ کم ہو گیا تھا۔ وہ بھی پریشان تھا۔”
‘‘مجھ نہیں معلوم۔ حماد ولی کے گھر والوں کو فون کر کے معذرت کر لو۔”
کیا خبر وہ کسی مصیبت میں ہو؟ میں پولیس میں رپورٹ کرواؤں؟‘‘ اس کے سوال پر انہوں نے”
چونک کر سر اٹھایا۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں تھیں۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے؟ پولیس میں رپورٹ کرو گے؟ جو عزت بچی ہے اس کا بھی جنازہ نکل وا لو
بس۔" وہ سخت غصہ ہو گئے تھے۔ حماد ہونق بنا انہیں تکتا رہ گیا۔
"لیکن وہ کسی مصیبت۔۔۔"
"خدا کا واسطہ ہے حماد۔۔۔ مجھے عزت سے مرنے دو۔ اس سب کا کوئی فائدہ نہیں ہونا۔ وہ خود گئی
ہے۔ اس نے میرے عزت کا خیال نہیں کیا تم کر لو۔" وہ باقاعدہ ہاتھ جوڑ گئے تھے۔ ان کی آواز لرز
گئی تھی۔ ہاتھ بھی کانپ رہے تھے۔ حماد نے آگے بڑھ کے انہیں گلے لگا لیا۔
وہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔

اس نے مندی مندی آنکھیں کھولیں۔ یہ تیسری بار تھا کہ وہ ہوش میں آ رہی تھی۔ اس بار بھی سر چکرا
رہا تھا مگر منظر واضح تھا۔ وہ کسی کمرے میں تھی۔ زرا گردن گھما کر اس نے جائزہ لیا۔ کمرے
میں نیم اندھیرا تھا۔ اس کی نظریں دیوار پہ لٹکی گھڑی پہ گئیں اور اس کی آنکھیں تحیر سے پھیل
گئی تھیں۔ رات کے دس بج رہے تھے۔
"اللہ اللہ،" وہ جھٹکے سے اٹھی۔ یہ ایک اچھا اور صاف ستھرا کمرا تھا۔ لیکن غیر شناسا تھا۔ وہ کہاں
ہے اسے سمجھ نہ آیا۔ آنکھوں میں الجھن تھی سر بھاری ہو رہا تھا۔ کچھ بھاری بھاری سا محسوس کر
کے اس نے سر جھکا کے دیکھا۔ وہ میرون لہنگے میں ملبوس تھی۔ اور اگلے ہی لمحے وہ بے یقینی
سے وہی فرش پہ بیٹھ گئی تھی۔ آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔
"ولی۔" لبوں سے سرگوشیوں کی مانند الفاظ ادا ہوئے اور وہ گھٹنوں کے درمیان سر رکھ کر سسک
پڑی تھی۔

یہ پارلر کا منظر تھا!
وہ میرون لہنگے میں ملبوس تھی۔ چہرے پہ پروفیشنلی طریقے سے میک اپ کیا گیا تھا۔ بال جوڑے
میں مقید تھے اور سیٹ دوپٹہ، ساتھ میرون اونچی ہیلز میں اس نے دیوار گیر آئینے میں خود کا جائزہ
لیا۔ لبوں پہ مسکراہٹ مچل گئی تھی۔ وہ حسین لگ رہی تھی۔ فرح ابھی گھر کال کرنے باہر گئی تھی۔
دفعتاً اس کا فون بجا، ولی کی کال تھی۔ شرمگین مسکراہٹ لبوں پہ سجائے اس نے فون کان سے لگایا۔
"السلام و علیکم۔" بھاری گھمبیر آواز پہ دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش برپا ہوا تھا۔ اس نے کرسی پہ
بیٹھتے سلام کا جواب دیا۔
"مصباح میں پارلر کے باہر کھڑا ہوں۔ پلیز باہر آؤ مجھے ضروری بات کرنی ہے۔" گھنٹے بعد ان کا
نکاح تھا اور وہ ایسے بلا رہا تھا۔ وہ یکدم پریشان ہوئی تھی۔
"ولی، ابھی۔۔" "پلیز مصباح اٹس آ ریکویسٹ۔" وہ واقعتاً پریشان لگ رہا تھا۔ اس نے بے چینی سے
آئینے میں دیکھا۔
"پلیز یار۔۔۔" وہ پریشان تھا۔ یہی سوچ کر وہ اٹھ گئی۔ تازہ ہوا کا کہہ کر باہر نکلی۔ وہ عین سامنے سیاہ
گاڑی میں بیٹھا تھا۔ وہ اس کی طرف گئی اور شیشہ بجایا۔
"یار اندر آ کے بیٹھو۔ ایسے کیسے بات کریں گے۔" وہ بھی بغیر کچھ کہے دوسری جانب سے آ کر
گاڑی میں بیٹھی۔ وہ الجھا ہوا تھا، پریشان تھا۔ مصباح کو سخت پریشانی ہوئی تھی۔ نفاست سے کیے
گئے میک اپ والا چہرہ بے رنگ سا ہو رہا تھا۔

کیا ہوا ولی؟ تم اچانک اس طرح؟'' وہ اس کی جانب رخ موڑے پریشانی سے پوچھ رہی تھی۔''
ولی نے گردن اٹھا کے اس کو دیکھا۔ وہ پیاری لگ رہی تھی۔
وہ کئی لمحوں تک بغیر پلکیں جھپکائے اسے دیکھتا رہا، دیکھتا رہا اور پھر بہت اچانک مصباح نے اپنے چہرے پہ کچھ محسوس کیا تھا۔ کیا تھا؟ شاید کوئی رومال تھا یا پھر کیا وہ حواس کھو رہی تھی۔ آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، آخری چیز جو اس نے سمجھی تھی وہ ایک بھاینک خیال تھا۔
وہ کڈنیپ ہو گئی تھی۔
وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اسے یقین نہیں آیا۔
کڈنیپ کرنے والا ولی تھا؟ اس کا اپنا ولی؟ ولی ایسا کیوں کریگا؟
وہ ہنوز بے یقین تھی۔

وہ کمرے میں داخل ہوا۔ شیروانی کی جگہ ابھی دوسرے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ سیاہ سادہ سی ٹی شرٹ اور سیاہ ٹراؤزر میں وہ فارمل سے حلیے میں تھا۔ وہ ہنوز دلہن کے لباس میں ملبوس بیڈ کے پاس نیچے زمین پہ سر گھٹنوں میں رکھے رو رہی تھی۔ وہ دھیرے سے چلتا ہوا اس کے پاس بیٹھا، اس کے سر پہ ہاتھ رکھا، وہ جھٹکے سے سر اٹھا گئی۔
آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ چہرہ آنسو سے تر تھا۔ ولی نے کچھ نہیں کہا وہ بس اسے دیکھ رہا تھا۔ یک ٹک بغیر پلکیں جھپکائے اسے دیکھتا رہا، دفعتاً اس نے سسکی لی تھی۔ وہ بہت رو رہی تھی۔ وہ ڈری ہوئی تھی۔ اس کے پاس بے شمار سوالات تھے مگر وہ خاموش تھی۔ چہرہ آنسو سے تر ہو گیا تھا۔ وہ دونوں ایسے ہی ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور نجانے کتنی دیر بیت گئی۔
آئی ایم سوری۔'' ولی معذرت کر رہا تھا؟ لیکن کیوں؟''
پہلے اس نے اپنی ہی شادی سے کڈنیپ کیا اور اب معذرت؟ مصباح نے کچھ نہیں کہا۔ آنکھوں سے مسکارا اور کاجل بہہ کر چہرے پہ پھیل گیا تھا۔ دوپٹہ سر سے گر کر شانوں پہ پھیل گیا تھا۔ بال جوڑے سے نکل کر بکھرے ہوئے تھے۔
وہ عجیب مخلوق لگ رہی تھی۔
''مجھے معلوم ہے تم یہ سب ڈیزرو نہیں کرتی ہو۔ لیکن میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔''
ایسی بھی کیا مجبوری تھی کہ تم نے اپنے ہی نکاح سے مجھے کڈنیپ کر لیا؟'' یہ سوال کرنا چاہیے ''
تھا مگر وہ خاموش رہی۔
تم ایمن کو جانتی ہو؟'' اس کی آنکھوں میں اچھنجا اترا۔''
ایمن؟ ایمن بابر؟ تم میری مما کی بات کر رہے ہو؟'' یہ پہلی بار تھا کہ جب وہ کچھ بولی تھی۔''
ہاں ایمن تمہاری مما... ایمن بابر، جو پہلے اایمن شاہ تھی اور میری پھوپھو تھی۔'' وہ سناٹوں کی زد''
میں آ گئی تھی۔ دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔
اس نے بے یقینی سے ولی کو دیکھا، لب بے آواز ہلے تھے۔
بدلہ، انتقام! کیا وہ اس سے انتقام لینے یہاں لایا تھا؟'' وہ بے یقین تھی۔''
کچھ لمحوں تک ولی کو دیکھتی رہی اور پھر دھڑام سے پیچھے کی جانب گر گئی۔ وہ بے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھتا مسکرایا تھا۔

اس کی مسکراہٹ عجیب تھی۔
اس مسکراہٹ میں طنز تھا، حزن تھا، دکھ تھا۔
لیکن نرمی اور محبت کہیں نہیں تھی۔

ایک دفعہ کا زکر ہے، پہلے بہت پہلے!
ایک لڑکی تھی، ایمن شاہ، ولی شاہ کی پھوپھو جانم!
”میرا ولی کیا کر رہا ہے؟“ انہوں نے اس کے ماتھے پہ بکھرے بالوں کو سنوارا، لہجے میں محبت تھی۔ انہیں یہاں ولی سے زیادہ کوئی عزیز نہیں تھا۔ ولی ان کی جان تھا۔
”پھوپھو جانم، میں پڑھ رہا تھا۔ آپ کیا کر رہی ہیں؟“ وہ مسکرائی۔
”میں ابھی تو کچھ نہیں کر رہی لیکن ابھی ولی کے لیے پاستہ بنانے کا سوچ رہی ہوں۔“ وہ خوشی سے اچھلا، کاپی پینسل ایک طرف رکھی۔
”آپ دنیا کی سب سے اچھی پھوپھو جانم ہیں۔“ ایمن ہنس پڑی تھی۔ وہ ایسا ہی تھا، اچھا اور بہت پیارا۔ ہر بات پہ اس کے پاس ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ
”آپ دنیا کی سب سے اچھی پھوپھو جانم ہیں۔“

ان کی زندگی پرسکون جھیل کی مانند تھی۔ ہر شئے اپنے مدار میں تھی۔ اس پرسکون جھیل میں پتھر پھینک کر انتشار برپا کیا گیا تھا۔ اور پتھر پھینکنے والا کون تھا؟
ابرار کاشف!
کالج میں پڑھتے ہوئے نجانے کب اور کیسے وہ ایک دوسرے کے مریضِ محبت بن گئے۔ کسی کو معلوم ہی نہ ہو سکا۔ قیامت اس دن برپا ہوئی جب ابرار اپنے والدین کے ساتھ سید گھرانے کی اکلوتی بیٹی کا ہاتھ مانگنے آیا تھا۔ سب مشتعل ہو گئے تھے۔ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے؟
ایمن تو جانتی تھی پھر اس گستاخی کا کیا مطلب؟
بابا اور بھائیوں نے اسے بہت ڈانٹا تھا۔ ولی سہما ہوا تھا۔

اور پھر اس کے مہینے بعد کی بات ہے کہ اس رات وہ ولی کو خود سے چمٹائے زار و قطار رو پڑی تھی۔
”ولی، بابا میرے ساتھ بالکل صحیح نہیں کر رہے۔“
”پھوپھو جانم، وہ انکل کون ہے؟“ اس کے اپنے ہی سوال تھے۔ ایمن رونا بند کر کے کتنی دیر تک اسے دیکھتی رہی۔
”ولی وہ انکل بہت اچھے ہیں۔ وہ پھوپھو جانم کا بہت خیال رکھیں گے۔ لیکن بابا نہیں چاہتے کہ پھوپھو کی شادی ان سے ہو۔“
”آپ ان کے ساتھ جانا چاہتی ہیں؟“ وہ بس اثبات میں سر ہلا گئی۔ ولی روہانسا ہو گیا تھا۔
”آپ چلی جائیں گی پھر ولی کے پاس کون ہوگا؟“ وہ بس رو دینے کو تھا۔ ایمن نے اس کے ماتھے پہ گرتے بال سمیٹ کر پیچھے کیے۔ اس کا ماتھا چوما۔

میں آؤں گی تمہارے پاس۔ تم میرا سب سے پیارا بچہ ہو۔ تمہارے بغیر پھوپھو جانم کچھ بھی نہیں”
ہے۔“ وہ بالکل مطمئن نہیں ہوا تھا۔
ٹھیک ہے پھر آپ اس انکل کے ساتھ نہیں جائیں گی۔“ ایمن نے کچھ نہیں کہا بس اسے خود سے لگا”
لیا۔ وہ کچھ دیر بعد خود ہی پیچھے ہوا، ایمن کا گال چوما۔
آپ اس دنیا کی سب سے اچھی پھوپھو جانم ہیں۔ پلیز مجھے چھوڑ کے مت جانا۔“ وہ دھیرے سے”
اثبات میں سر ہلا گئی۔ آنسو بہہ نکلے تھے۔ وہ بے اختیار رو پڑی تھی۔
اس رات، رات کے سیاہ گہرے سائے میں وہ اس گھر کی دہلیز پار کر گئی۔ ابرار گھر سے مناسب فاصلے پہ کھڑا تھا۔ وہ کچھ مختصر سامان کے ساتھ ولی کی تصاویر لے کر گھر سے نکل گئی۔
نہ ماں باپ کی عزت قدموں کی زنجیر بنی اور نہ ہی ولی شاہ کی التجائیں اسے روک سکی تھیں۔
اسے ولی واقعی بے حد عزیز تھا۔ مگر ابرار تو محبت تھا۔
اگلے دن گھر میں کہرام برپا ہو گیا تھا۔
پھوپھو جانم کہاں ہیں۔ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔“ وہ رو رہا تھا۔ چیخ رہا تھا۔ کسی کے قابو میں”
نہیں آ رہا تھا۔ اور بابا کا زناٹے دار تھپڑ اسے ہوش میں لایا تھا۔
“خبردار جو اس منحوس کو پکارا۔ وہ بے حیا لڑکی بھاگ گئی ہے۔”
اس صبح اور اس کے بعد کئی مہینوں اور سالوں تک وہ سنتا آیا تھا کہ اس کی پھوپھو جانم بری لڑکی تھی۔ لیکن وہ تو اچھی تھی ناں؟ دنیا کی سب سے اچھی لڑکی تھیں۔ پھر سب ایسے کیوں کہتے تھے؟
وہ بری نہیں تھیں برے وہ انکل تھے جو پھوپھو جانم کو لے گئے تھے۔ ولی نے کبھی زندگی میں ایک لمحے کو بھی نہیں سوچا تھا کہ پھوپھو غلط تھیں اس کے لیے غلط وہ انکل تھے اور آج اس نے ان انکل سے بدلہ لے لیا تھا۔

اپنے سامنے دلہن کے لباس میں ملبوس لڑکی کو دیکھ کر وہ سر جھکا گیا۔ مصباح یک ٹک اسے دیکھتی رہی، دیکھتی رہی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ ولی تھا۔ مما کا سب سے پیارا بچہ ولی شاہ تھا۔ اسے یقین نہ آیا۔۔ وہ کیسے یقین کرتی؟ مما کا بدلہ لینے کے لیے وہ مما کی بیٹی کو اغواہ کر کے لایا تھا۔
ولی، جانتے ہو، مما آپ کو کبھی نہیں بھولی۔ ہمارے گھر میں ہم نے ہمیشہ آپ کا نام سنا ہے۔ ولی”
مما کا پیارا بچہ، ولی کو پاستہ پسند ہے۔ ولی پھوپھو جانم کا اچھا بچہ ہے۔ ولی بات مان لیتا ہے۔ ولی تنگ نہیں کرتا۔ ایسے کئی جملے تھے جو مما ہمیں کہتی رہتی تھیں۔ وہ بیٹھے بیٹھے رو پڑتی تھیں کہ انہیں ولی یاد آ رہا ہے۔ وہ آپ کو کبھی نہیں بھولی، وہ آپ کو کبھی بھول ہی نہیں سکتی تھیں۔“ ولی بغیر پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہا تھا۔ خاموشی سے، بے یقینی سے، حیرت سے دیکھ رہا تھا۔
اس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سوجی ہوئی تھیں، لیکن وہ پر سکون تھی۔ سامنے بیٹھا آدمی مما کا ولی شاہ تھا۔ یہ بات اسے پرسکون کر گئی تھی۔
مما نے تم سے بے حد محبت کی تھی۔ انہیں کبھی نہیں لگا تھا کہ آپ ان کا انتقام اس طرح لیں گے۔“”
وہ کبھی تم اور کبھی آپ بول رہی تھی۔ ولی اب بھی کچھ نہیں بولا۔
آپ کو اندازہ بھی نہیں ہے کہ ابرار سے بدلہ لینے کے لیے آپ کیا کر گئے ہیں؟ پہلے دنیا ایمن ابرار”
کو بری لڑکی کہتی رہی اور اب وہ مصباح ابرار کو بری لڑکی کہے گی۔“ آخری جملے پہ ولی نے

بے ساختہ اس کا ہاتھ تھاما، اس کا جملہ اس کا دل چیر گیا تھا۔ مصباح مسکرا رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ اداس سی تھی۔
"آپ کے انتقام نے مجھے بری لڑکی بنا دیا۔ ایمن شاہ اور ابرار کاشف سے انتقام لینے کے چکر میں آپ کو مجھے برباد کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔" اس کا لہجہ رندھ گیا تھا۔ اور وہ رو پڑی تھی۔ ولی اس کا ہاتھ تھامے اسے روتے دیکھ رہا تھا۔ واقعی اس کی زندگی برباد کرنے کے اسے کوئی حق نہیں تھا۔
دیوار پہ لٹکی گھڑی کو دیکھا۔
رات کے تین بج رہے تھے!
"آئی ایم سوری، مصباح۔"
"آپ کے سوری سے کیا ہوگا؟ مما بھی آپ سے سوری تھیں کچھ ہوا؟ نہیں ناں، پھر آپ کے سوری سے کیا ہوگا ولی؟ آپ کے ایک اس انتقامی قدم نے ایمن کی بیٹی کو بری لڑکی بنا دیا۔ پہلے دنیا آپ کی پھوپھو جانم کو بری لڑکی کہتی تھی اور اب اس کی بیٹی کو بولے گی۔ کچھ بھی نہیں بدلے گا۔"
ولی اپنا سر نہیں اٹھا سکا تھا۔ وہ یہ کیا کر گیا تھا۔ اس نے کیا کر دیا تھا۔ اسے بے حد ملال تھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟
"مما نے رات کے اندھیرے میں وہ دہلیز پار کی تھی تو انہوں نے اس کی سزا بھگتی۔ جانتے ہو وہ کبھی دوبارہ اس معاشرے میں سر اٹھا کے جی نہیں سکیں، اور یوں ہی گھٹ گھٹ کے مر گئیں۔ انہیں ہمارے ددھیال والوں نے کبھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا کیوں کہ وہ گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی تھیں۔ بابا ان سے محبت کرتے تھے، مگر کبھی معاشرے میں انہیں وہ مقام نہیں دلا سکے۔ وہ اپنی تمام اچھائیوں سمیت ایک بھاگی ہوئی لڑکی کے علاوہ کچھ نہیں تھیں۔ لوگ انہیں کبھی قبول نہیں کر سکے تھے۔" اسے لگا اس کا سانس گھٹ جائے گا۔ پھوپھو جانم کی تکالیف کا سوچ کے وہ مر جائے گا۔
سامنے بیٹھی دلہن کے لباس میں ملبوس لڑکی مزید کہہ رہی تھی۔
"اس میں قصور لوگوں کا نہیں ہے۔ مما کا ہے، بابا کا ہے۔ میرے نانا کا ہے، ماموں کا بھی ہے۔ مما اور بابا بالغ تھے اگر وہ ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے تو انہیں چاہیے تھا ان کا نکاح کروا لیتے۔ اور اگر نہیں کروایا تو مما اور بابا کو یہ انتہائی قدم اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ دہلیز پار کرتے ہوئے مما نے صرف اپنے گھر والوں کو نہیں کھویا انہوں نے معاشرے میں اپنا مقام کھو دیا۔ بابا نے اپنی عزت کھو دی۔ مما ایک بھاگی ہوئی عورت تھی، بابا بھاگی ہوئی عورت کے شوہر تھے، اور ہم۔۔۔؟" اس نے ہچکی لی۔ چہرہ آنسو سے تر ہو گیا تھا۔
"ہم ہمیشہ بھاگی ہوئی عورت کے بچے رہے۔ ایک قدم تھا اور نسلیں تباہ ہو گئیں۔ یہ محبت کا نشہ جب ہرن ہوتا ہے تو کچھ باقی نہیں رہتا۔ بھاگی ہوئی عورت کو معاشرہ قبول نہیں کرتا۔ ولی!" وہ بے حد تلخ تھی۔
اس کی زندگی ہی تلخ تھی۔ وہاں طنز اور طعنوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس کی ماں کا ماضی میں لیا گیا انتہائی فیصلہ ان کا بچپن لڑکپن اور جوانی تک کو نگل گیا تھا۔
"مصباح، ہم نکاح کریں گے۔" اس کی بات سن کر مصباح ہنس پڑی تھی۔ روتے روتے ہنسنا یہ عجیب منظر تھا۔

”نکاح؟ نکاح اور تم سے؟“ ولی نے اسے دیکھا۔
”میں تمہیں کیا لگ رہی ہوں؟ کوئی گڑیا؟ کوئی کھلونا؟ تم نے مجھے اغواہ کیا ہے اور تم سے نکاح؟“ اس کی آنکھوں میں کوئی خوف نہیں تھا۔ ولی نے کچھ کہنا چاہا پھر لب بھینچ گیا۔
”پلیز مجھے میرے گھر چھوڑ آؤ۔“ وہ اٹھ گئی۔ کپڑے بے حد بھاری تھے۔
”پلیز مصباح، لوگ کیا کہیں گے۔ ہم نکاح کر لیتے ہیں۔ میں سب صحیح کر لوں گا۔“ اس نے کچھ نہیں کہا بس رخ موڑے کھڑی رہی۔
”میں انکل سے بات۔۔“ وہ اس کی جانب پلٹی۔ آنکھیں خشک تھیں مگر ان میں سرخی تھی۔
”میں کسی اور دنیا کی مخلوق نہیں ہوں کہ ایک ہینڈسم لڑکے نے مجھے اغواہ کیا اور میں مجبور اس کے ساتھ نکاح کر لوں۔ تمہیں تمہاری غلطی کا احساس ہو اور تمہیں معاف کر کے تمہارے ساتھ خوشی خوشی رہ لوں۔ ولی، میں اس دنیا کی مخلوق ہوں جہاں عورت کا قیمتی اثاثہ اس کی عزت و آبرو ہے۔ میں ایسے شخص سے نکاح نہیں کروں گی جس نے مجھے اغواہ کیا ہو۔ سنا تم نے میں تم سے نکاح نہیں کروں گی۔“ اس کا لہجہ قطعیت لیے ہوئے تھا۔ وہ آدمی اٹھ گیا اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔
صبح کے چار بج رہے تھے!
کسی کے دھڑا دھڑ دروازہ بجانے پہ حماد نے دروازہ کھولا، سامنے وہی تھی۔ دلہن کے لباس میں ملبوس، دوپٹے سے آدھا چہرہ چھپائے کھڑی تھی۔ حماد کے قدم لڑکھڑا گئے۔
”مصباح، تم کہاں تھیں؟ اور؟“ اس کے پاس بے شمار سوالات تھے مگر وہ بغیر سنے ایک طرف سے اندر آ گئی اس کے پیچھے ولی آیا تھا۔ حماد کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ ابا بھی اپنے کمرے سے نکل کر آ گئے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے کسی کا کچھ نہیں سنا وہ کسی کی نہیں سننا چاہتی تھی۔
ولی نے انہیں سب بتا دیا تھا۔ وہ لاؤنج میں سر جھکائے اپنی کارستانی سنا رہا تھا۔ رو رہا تھا۔ معافیاں مانگ رہا تھا۔ حماد کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اسے مار مار کے اس کا جبڑا توڑ دے۔ مگر ابا کے کہنے پہ خاموش بیٹھا بس اسے گھورے جا رہا تھا۔ ابا سر جھکائے بیٹھے تھے۔ کندھے ڈھلکے ہوئے تھے۔ محبت کا نشہ اترا تو ہر شئے واضح ہوئی تھی۔ انہوں نے کپکپاتے لہجے میں ولی کو پکارا۔
”بیٹا، تم مصباح سے نکاح کر لو۔“ انہیں زمانے کا ڈر تھا۔ لوگوں کا خوف کھائے جا رہا تھا۔ ان کے اس مطالبے پہ حماد تلملایا مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہے تھے۔
”انکل میں ابھی تیار ہوں۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے۔ میرا یقین کریں میں اس کا بہت خیال رکھوں گا۔“ انہوں نے یقین کر لیا کہ سوائے اس کے اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔
ایک نظر کلائی میں بندھی گھڑی دیکھی۔
صبح کے پانچ بج رہے تھے!
”حماد تم جا کے مصباح کو دیکھو۔ وہ رو رہی ہوگی۔“ اس نے ایک سخت نظر ولی پہ ڈالی اور اٹھ گیا۔ ابا بمشکل مسکراتے ہوئے ولی سے کچھ کہہ رہے تھے۔ وہ شاید اسے بتا رہے تھے کہ کیسے ایمن ہمیشہ اسے یاد کرتی تھی۔ ابھی کچھ دیر ہی بیتی تھی کہ حماد کی دل خراش چیخ نے ماحول پہ لرزہ طاری کر دیا تھا۔ ابا تیزی سے سیڑھیوں کی جانب بھاگے، وہ بھی ان کے پیچھے بھاگا تھا۔ اگلا

منظر دل دہلا دینے والا تھا۔ حماد اسے بانہوں میں اٹھائے تیزی سے نیچے آ رہا تھا۔ وہ شاید رو رہا تھا۔
بابا، جلدی کریں۔ یہ بے ہوش ہے۔‘‘ وہ باہر نکل گیا تھا۔ انکل اس کے پیچھے نکلے، اس کی نگائیں’’
اس کے بے جان سے لٹکتے ہاتھ پر تھیں۔ ہاتھ کا رنگ عجیب سا تھا۔ بے رنگ، بے جان سا تھا۔
وہ اگلا سانس نہیں لے سکا تھا۔ اسے گھنٹہ پہلے کا روپ یاد آیا تھا اور پھر نظریں زمین پہ گئیں تھیں۔ وہاں ایک کاغذ گرا تھا۔
حماد اور انکل چلے گئے تھے۔ اس نے بے جان قدموں سے چلتے وہ کاغذ اٹھایا۔
!پیاری لڑکیوں کے نام’’
میری ماں ایک پیاری لڑکی تھی۔ وہ بہت اچھی تھیں۔ سب کا بھلا سوچنے والی تھیں، مگر ان کی اچھائیاں اور بھلائیاں ان کے کسی کام نہیں آئیں۔ کیونکہ وہ اچھی ہونے کے ساتھ ساتھ بھاگی ہوئی لڑکی بھی تھیں۔ میں نے ہمیشہ ان کے ماضی کے طعنے سنے۔ وہ پہلے اچھی لڑکی تھیں کیونکہ ان کی ماں اچھی تھی۔
مگر میں کبھی اچھی لڑکی نہیں بن سکی۔ کیونکہ میری ماں بھاگی ہوئی عورت تھی اور میں بھاگی ہوئی عورت کی بیٹی تھی۔ انہوں نے جذبات کے بہکاوے میں آ کر ایک غلط قدم اٹھایا اور اس کا خامیازہ مجھے بھگتنا پڑا۔
اب میں اپنی نسلوں میں اس درد کو منتقل نہیں کرنا چاہتی۔ میں نہیں چاہتی کوئی اور مصباح جنم لے، جس کے کوئی دوست نہ ہوں۔ کیوں کہ میری ماں کے ماضی کی وجہ سے اس معاشرے کے عزت دار لوگ اپنی بیٹیوں کو میرے ساتھ اٹھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ میں کسی اور بیٹی کو یوں عزت کے لیے تڑپتے، گھٹ گھٹ کر جیتے اور پھر سسک سسک کر حرام موت مرتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی۔
آج میرا اس دنیا اور اس میں بسنے والے عزت دار لوگوں میں آخری دن ہے، میں ہاتھ جوڑ کر التجا ،کرتی ہوں
پیاری لڑکیوں! اپنی حفاظت کرو، کیا تم ایک اور مصباح کا بوجھ اٹھا سکو گی؟ کیا تم چاہتی ہو تمہاری نسلیں یوں تباہ ہو جائیں؟ معاشرے کے طعنے سن سن کر تم نفسیاتی مریض بن جاؤ اور یہ مرض نسل در نسل چلتا رہے؟
صفحہ گیلا تھا۔ شاید وہ رو پڑی تھی۔ آگے کچھ نہیں تھا۔ ولی سن کھڑا تھا۔ دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ وہ لڑکی اتنی اذیتوں میں تھی اور اس نے اس کے ساتھ کیا کیا؟

آج کئی سال بیت گئے ہیں۔ میں اس مٹی کے ڈھیر کے پاس بیٹھا ہوں۔ میں ہر روز یہاں آتا ہوں، مٹی کا ،ڈھیر جس کے سرہانے کتبہ لگا ہے
‘‘مصباح ابرار’’
وہ دلہن کے لباس میں ملبوس حسین لڑکی مر گئی؟
میں آج بھی بے یقین ہوں۔ وہ تو بہت چھوٹی تھی۔ اور بہت پیاری تھی۔ وہ بھلا کیسے مر سکتی ہے؟
لیکن وہ مر چکی ہے۔ اسے میرے نکاح میں آنے سے زیادہ موت عزیز تھی۔ لیکن ایسے حرام موت؟

وہ پھوپھو جانم کی بیٹی تھی۔ ان کی طرح ہی شدت پسند اور جلد باز، لیکن بھلا اس انتہائی قدم کی کیا ضرورت تھی؟ پھوپھو جانم کا ایک قدم مستقبل میں مصباح کی زندگی نگل گیا، اور مصباح کا ایک قدم کیا اس کی آخرت؟؟؟

میرے ہاتھوں میں اس کا آخری خط ہے، یہ خط میں دن میں نجانے کتنی بار پڑھتا ہوں۔ اور ہر بار اسے پڑھنے پہ میرے دل میں ایک خواہش جنم لیتی ہے کہ کاش میں یہ خط دنیا کی ہر پیاری لڑکی کو پڑھا سکوں۔

میری آنکھوں میں آنسو ہیں، یہ آنسو میرا مقدر ٹھہرے۔ بچپن میں یہ آنسو پھوپھو کے لیے تھے اور جوانی مین ان کی بیٹی کے لیے ہیں۔ اور یونہی زندگی گزر جانی ہے۔

اور میرے دماغ میں اس کا چہرہ ہے۔ میں اسے کبھی نہیں بھولا، میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا، میں اسے کبھی نہیں بھول سکوں گا۔

لیکن اب کیا فائدہ؟ میرا ایک جذباتی قدم اس کی زندگی نگل گیا۔

اب کچھ باقی نہیں ہے۔ سب ختم ہو گیا۔

اور ابھی اس مٹی کے ڈھیر پہ تازہ گلاب ڈالتے ہوئے مجھے کسی کی کہی بات یاد آ رہی ہے۔

جلدبازی کا کام”